

تعارفِ کتب

مجموعہ قوانین اسلام، جلد دوم | مصنف: بنزیر الرحمن صاحب ایڈووکیٹ - ناشر: ادارہ تحقیقات اسلامی طارق آباد، راولپنڈی - ضخامت ۸۲ صفحات - قیمت ۱۵ روپے۔

اس کتاب کی پہلی جلد اس سے قبل شائع ہو چکی ہے اور ترجمان میں اس پر تبصرہ بھی ہو چکا ہے۔ اب یہ دوسری جلد شائع ہوئی ہے جو طلاق، خلع، تفریق، ایلاء، نهار اور عان سے متعلق اسلامی قوانین کو دفعات کی شکل میں پیش کرتی ہے اور مختلف فقہی مساکم و آراء سے تفصیلی بحث کرتی ہے۔ اس میں شک نہیں کہ مولف نے حسبِ سابق طبری محنت اور جُزری سے اس جلد کا مواد جمع اور مرتب کیا ہے۔ ایسی ضخیم اور اہم کتاب کے تفصیلی تعارف و تبصرہ کے لیے خاصا اہتمام اور وقت دینا ہے۔ سہر دست پوری کتاب کو ایک نظر دیکھنے کے بعد چند مقامات جو محل غور و نظر اور اصلاح طلب محسوس ہوتے ہیں، انہیں یہاں پیش کیا جا رہا ہے۔

طلاق مکرہ کی بحث کے ضمن میں ص ۳۴ پر ایک دفعہ ص ۳۳ کا عنوان ہے: "طلاق مکرہ کا اقرار"۔ دفعہ کی عبارت یوں ہے: "طلاق مکرہ کا اقرار خراہ زبانی ہو یا تحریری، غیر نافذ ہوگا"۔ اس دفعہ کا عنوان اور اس کے متن کی عبارت دونوں صحیح نہیں ہیں۔ ان کے پڑھنے سے شبہ ہوتا ہے کہ مسئلہ زیر بحث یہ ہے کہ جو شخص جبر و اکراہ کا شکار ہو کر طلاق دے بیٹھا ہو، وہ طلاق دینے کے بعد اگر اس کا اقرار کرے، تو یہ اقرار غیر مؤثر اور ناقابلِ تسلیم ہوگا۔ حالانکہ مولف جس جزیئے کو بیان کر رہے ہیں، وہ یہ ہے کہ کوئی شخص اگر مجبور ہو کر یہ اقرار کرے کہ میں نے طلاق دی ہے اور فی الواقع اس نے نہ دی ہو، تو یہ زبردستی کا حاصل کیا ہوا اقرار طلاق نافذ نہ ہوگا۔ یہ دفعہ دراصل بالجبر حاصل کردہ طلاق سے متعلق نہیں، بلکہ بالجبر حاصل کردہ اقرار طلاق سے متعلق ہے، جیسا کہ مولف کی اپنی تشریح سے واضح ہے۔ اس لیے دفعہ اور عنوان کے الفاظ کا بدلنا ضروری ہے۔

چودھویں باب میں خلع و مبارات کے مسائل پر بحث کرتے ہوئے مؤلف نے بجا طور پر یہ واضح کر دیا ہے کہ فقہائے حنفیہ کے ہاں ازالہ نکاح کی جس صورت پر خلع کا اطلاق ہوتا ہے، اُس میں یہ ضروری ہے کہ خاوند "خلع" یا اس کے ہم معنی الفاظ استعمال کرے۔ اس لیے خلع کے جو مقدمات عدالتوں میں جانتے ہیں، ان میں اگر عدالت تفریقِ نکاح بذریعہ خلع چاہے، تو خاوند سے خلع کے الفاظ کہلانا لازم ہیں۔ لیکن اس بحث میں دو امور کی وضاحت پورے طور پر نہیں کی گئی۔ پہلی اہم بات جو قابلِ ذکر تھی، وہ یہ ہے کہ احناف کے نزدیک خلع میں قضا قاضی شرطِ لازم نہیں۔ بعض دوسرے فقہاء کا قول بھی اسی کے مطابق ہے۔ شریعت میں یہ امر پسندیدہ نہیں ہے کہ میاں بیوی کا ہر محکمہ عدالت تک پہنچے اور عدالت ہی فیصلہ دے۔ اس سے مرد و عورت دونوں کی شہرت و اقدار ہوتی ہے۔ البتہ زوجین یا محکمین کی باہمی مسامحہ کے باوجود اگر نباہ یا طلاق یا خلع کی کوئی صورت پیدا نہ ہو سکے تو پھر عدالت کی مداخلت ناگزیر ہوگی۔ ہمارے ہاں جس طرح خلع، طلاق بالمال اور عدالتی تفریق کو باہم خط ملط کر دیا جاتا ہے اور جس طرح عائلی معاملات کو خواہ مخواہ عدالتوں سے وابستہ و متعلق کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے، یہ رجحان اسلامی نقطہ نظر سے غیر مطلوب ہے۔

دوسری ضروری بات جو یہاں قابلِ تصریح تھی مگر جس کی مراحت نہیں کی گئی، وہ یہ ہے کہ فقہائے حنفیہ ملکینہ اور بعض دیگر ائمہ مجتہدین کے نزدیک خلع کی تنفیذ و تکمیل کے لیے عورت کی قبولیت شرط ہے۔ خاوند اگر خلع کر بھی لے مگر بیوی اسے منظور نہ کرے اور مالی بدل ادا کرنے پر آمادہ نہ ہو، تو نکاح قائم رہے گا۔ البتہ خلع میں اگر مالی عوض یا بدل کا سرے سے ذکر ہی نہ ہو، تب مرد کا خلع طلاق کے مانند فوراً نافذ ہو جاتا ہے۔ فقہائے کرام کا یہ اجتہاد گہری دینی بصیرت پر مبنی ہے اور یہ زوجین بالخصوص عورت کے حق میں بہت نافع ہے۔ خلع کا مطالبہ چونکہ بالعموم عورت ہی کی جانب سے ہوتا ہے، اس لیے مرد کی طرف سے خلع کی پیش کش کے باوجود اس معاہدے کی تکمیل کو عورت کی رضا پر موقوف قرار دیا گیا ہے تاکہ آخر وقت تک اُسے غور و تأمل کا موقع مل سکے۔ ان دو قابلِ وضاحت امور کا اگرچہ ضمیمہ اشارہ بلا واسطہ کے ان عائلی قوانین میں آگیا ہے، جو مصنف نے اس بحث میں نقل کیے ہیں، مگر ثبت اور واضح طور پر اصل دفعات میں ان کا بیان ضروری ہے۔

صفحہ ۱۰ پر "تفریق بسبب قید کے زیر عنوان ایک دفعہ درج ذیل ہے :

”اگر کسی شوہر کو تین سال یا اس سے زائد مدت کے لیے منہ سے قید دی گئی ہو تو اس کی زوجہ بذریعہ عدالت طلب تفریق کی مجاز ہوگی۔“

ہمارے نزدیک یہ تجویز سخت فتنہ انگیز ہے اور شریعت کی تعلیمات میں اس کی گنجائش محال ہے۔ ہمارے علم کی حد تک فقہائے سلف میں سے کسی نے خاوند کی قید کو تفریقِ نکاح کے لیے جائز و معقول وجہ تسلیم نہیں کیا۔ لیکن دورِ جدید میں بعض مسلمان ممالک کی عدالتوں کو اس بنا پر تفریق کا اختیار دے دیا گیا ہے۔ پاکستان میں بھی انگریزوں کا بنایا ہوا ایک قانون رائج ہے جس میں سات سال کے لیے قید ہونے والے شوہر کی بیوی کو فسخِ نکاح کا حق دیا گیا ہے۔ اس کتاب کے مرتب سات سال کو تین سال کی مدت میں تبدیل کرنا چاہتے ہیں۔ بالکلیہ اور حنبلیہ کے حوالے سے کہا گیا ہے کہ وہ زوج غائب غیر منقود کی بیوی کو تفریق کا حق دیتے ہیں لیکن اس کے لیے کوئی حوالہ درج نہیں کہ تحقیق کی جاسکتی کہ ان حضرات کی طرف قول کی نسبت کس حد تک صحیح ہے اور وہ محبوس کو بھی غائب کی صفت میں شامل کرتے ہیں یا نہیں خفیہ زوج غائب کی منکوحہ کو تفریق کا حق نہیں دیتے۔ تاہم ولایتِ نکاح کی بحث میں انہوں نے ولی غائب کی مختلف تعریفات بیان کی ہیں۔ امام سرخسی نے مبسوط میں غیبتِ منقطعہ کی صحیح ترین تعریف یہ دی ہے کہ اس سے مراد ولی کا ایسے ذوار فسادہ منہام پر ہونا ہے کہ اگر اس کی آمد یا اس کی رائے کی وصولی کا انتظار کیا جائے تو موزوں اور ہم کفو رشتہ ہاتھ سے نکل جائے۔ ایک قول یہ ہے کہ غائب کا اطلاق اس پر ہوتا ہے جس کا ٹھیک اتنے پتہ نہ مل سکے دلائل و قف علی اثرہ۔۔۔ لایعرف خبرہ۔ بہر کیف اگر زوج غائب سے مراد ایسا شوہر لیا جائے جو کسی اجنبی و بار میں جاہل یا بے جس سے خط و کتابت، اور ملاقات نہ ہو سکتی ہو، اور جس کی مدتِ قیام بھی غیر معین اور بہت طویل ہو، تو ایسے شخص کی بیوی کا مطالبہ تفریق قابلِ غور ہو سکتا ہے۔ لیکن ہر وہ شخص جو چند سال کے لیے اپنے ہی ملک کی جیل میں چلا جائے اُسے غائب فرض کر لینا اور اس کی بیوی کو تفریقِ نکاح کا پروانہ دے دینا شرعاً و عقلاً بے جواز ہے۔

ایسی تجاویز پیش کرنے والوں کو شاید معلوم نہیں کہ ہمارے فقہاء نے اسیروں کے حقوق میں اس حق کو بھی شامل سمجھا ہے کہ وہ اپنے اہل و عیال سے تعلیق میں ملاقات کر سکیں اور کچھ دن ان کے پاس رہ سکیں۔ اس کی یہ صورت بھی ممکن ہے کہ قیدی کو گاہے گاہے گھر پر مقیم رہنے کا موقع دیا جائے یا گھر والوں کو اجازت دی جائے کہ وہ قیدی کے پاس جا کر ٹھہر سکیں۔ اب تو دنیا بھر میں قیدیوں کے حق میں اس طرح کی اصلاحات سوچی اور نافذ کی جا رہی ہیں

اور ہمارے ملک میں بھی بعض صورتوں میں یہ رعایت دی جاتی ہے۔ اس لیے ضرورت اس امر کی ہے کہ قید یوگی نکاح تڑوانے کے بجائے انہیں اپنے اہل خانہ سے میل جول کے مناسب مواقع مہیا کیے جائیں۔ بہت سے افراد غلط الزام اور غلط شہادتوں کی بنا پر سزا پاتے ہیں یا الزام ثابت کیے بغیر انہیں سالہا سال تک نظر بند رکھا جاتا ہے۔ ان کی بیویوں کو تفریق نکاح کا حق دینا شوہروں پر دوسرا عظیم ہوگا۔

صاحبِ تالیف نے تفریق نکاح کے جو وجوہ و اسباب بیان کیے ہیں، ان میں لعان کا بھی ذکر کیا ہے چنانچہ ص ۲۳ پر انہوں نے ایک دفعہ کی عبارت یوں درج کی ہے: ”جب زوجین حاکم عدالت کے روبرو ایک دوسرے پر لعان کر چکیں تو حاکم عدالت ان میں باہم تفریق کر دے گا۔“ اس سلسلے میں انہوں نے بیان کیا ہے کہ ہمارے ہاں کی اعلیٰ عدالتوں کے بعض فیصلوں میں لعان کرانے اور اسے جائز بنائے تفریق تسلیم کرنے سے گریز کیا گیا ہے اور عذر یہ پیش کیا گیا ہے کہ ہمارے عدالتی نظام میں اسلام کا ضابطہ شہادت نافذ نہیں اور لعان اسلامی ضابطہ شہادت کا جزو ہے۔ فاضل مؤلف نے اس کا جواب یہ دیا ہے کہ لعان کی حیثیت اصل اور مستقل قانون کی ہے، نہ کہ اسلامی قانون شہادت کے ضابطے کی، اس لیے ہماری عدالتیں لعان کے طریقے کو تیسخ نکاح کا ایک عمدہ سبب قرار دیتے ہوئے، تفریق نکاح کی حد تک اس پر عمل کر سکتی ہیں اور جو تفریق قسم کھانے پر آمادہ نہ ہو، اسے اس وقت تک قید کر سکتی ہیں جب تک کہ وہ آمادہ نہ ہو۔

لیکن ایک آزاد اسلامی مملکت کے قانون دانوں اور قانون سازوں کو یہ بات زیب نہیں دیتی کہ وہ اپنی بحث و نظر کو فقط اس امر تک محدود رکھیں کہ زوجین اور حکام عدالت بس تفریق نکاح کے معاملے میں کس طرح لعان کے اسلامی قانون سے انتفاع کر سکتے ہیں، بلکہ اس کے ساتھ ہی انہیں چاہیے کہ وہ ان تمام نو جداری قوانین کے نفاذ کا مطالبہ کریں جو اسلام نے زنا اور قذف کے سلسلے میں مقرر کیے ہیں۔ مان لیا کہ لعان محض ایک ضابطہ شہادت نہیں، بلکہ یہ ایک مستقل بالذات قانون ہے۔ لیکن کیا یہ حقیقت نہیں کہ اس کا گہرا اور بنیادی تعلق قذف اور زنا کے ساتھ ہے؟ تفریق نکاح تو محض ایک ثمرہ اور نتیجہ ہے جو لعان سے صرف اس صورت میں برآمد ہوتا ہے جب تفریق ثانی فریق اول کو جھٹلائے، ورنہ لعان کا اصل مقصود یہ ہے کہ الزام زنا کے اثبات کے لیے جو نصاب شہادت عام حالات میں مطلوب ہے اور جس کی عدم موجودگی میں الزام لگانے والے پر قذف جاری ہوتی ہے، زوجین

کے لیے اس نصاب میں ترمیم و تخفیف کی جائے۔

زنا و قذف کے مکمل اسلامی قوانین کی تنفیذ کے بغیر عدالتوں میں لعان کی کارروائی عمل میں لانا اور اس سے تفریقِ نکاح کا فائدہ حاصل کرنا لاطائل بلکہ بعض پہلوؤں سے اسلامی مقاصد کے لیے ضررِ رساں ہے۔ اسلامی حدود و تعزیرات کا پورا نظام جیت تک قائم نہ ہو عدالتوں میں الزامِ زنا اور اقرارِ زنا کے باعث گھریلو زندگی کے گندے سینٹھڑے خواہ مخواہ عدالتوں کے اندر دھلتے ہیں اور شاعتِ فاحشہ کا سبب بنتے ہیں۔ تفریقِ نکاح کے لیے قانونِ شریعت اور مروج قانون میں متعدد بنیادیں موجود ہیں اور موجودہ عدالتیں انہیں سامنے رکھتے ہوئے تفریقِ نکاح کی دگر بایاں فیاضی سے دے رہی ہیں۔ اس کے بعد محض فرقتِ زوجین کی خاطر لعان کا سہارا لینے کی آخر کو کسی ایسی حاجت ہے؟

ان چند تنقیدی گزارشات کے بعد آخر میں یہ عرض کر دینا بھی ضروری ہے کہ جناب مؤلف نے انصاف سے کام لیتے ہوئے متعدد مقامات پر موجودہ عائلی قوانین کے خلاف شریعتِ پہلوؤں کی نشان دہی کی ہے اور تبادلِ تجاویز اسلام کی روشنی میں پیش کی ہیں مثلاً ص ۳۴۶ پر لکھتے ہیں: ”طلاق جوں ہی دی جاتے، اس کو واقع قرار دیا جاتے، نہ کہ اس کا وقوع چیئر مین کو نوٹس دینے اور نوٹس دن گزرنے پر موقوف ہو“ ص ۳۵۴ پر لکھا ہے: ”شرع اسلام نے نفاذِ طلاق کو حکمِ حاکم پر موقوف نہیں رکھا، جب کہ بعض حضرات طلاق کے نافذ ہونے کا فیصلہ حکمِ حاکم پر موقوف رکھنا چاہتے ہیں۔۔۔۔۔ حقیقت یہ ہے کہ بلا حکمِ حاکم نفاذِ طلاق میں بڑی حکمتیں پوشیدہ ہیں۔۔۔۔۔ اسی طرح ص ۵۶۳ سے ص ۵۶۸ تک انہوں نے رائج الوقت طلاق کے قانون پر بدلتی تنقید کی ہے اور اس سلسلے میں جسٹس وحید الدین احمد صاحب کے ایک فیصلے سے بھی اظہارِ اختلاف کیا ہے جس میں انہوں نے ایک طلاق محض اس بنا پر غیر نافذ قرار دے دی کہ اس کی اطلاع چیئر مین کو نہیں دی گئی، حالانکہ اس طلاق کی ایک نقل عدالت میں پیش کی گئی اور شوہر نے زبانی بھی کہا کہ میں نے زوجہ کو طلاق دے دی ہے۔ ہم اس معاملے میں مؤلف سے کمالاً متفق ہیں اور ہماری رائے بھی یہی ہے کہ اگر فیصلہ اسی طرح ہوا ہے تو وہ کتابِ سنت سے صریحاً متصادم ہے۔ آگے چل کر ص ۵۶۴ پر اس بات کو دہرایا گیا ہے کہ یہ کہنا کہ چیئر مین کو نوٹس ملنے اور نوٹس یوم بعد تک طلاق موثر نہ ہوگی، قدرت کے احکام میں شکوک و شبہات پیدا کرنے کا موجب ہے۔

اس طرح کے اندراجات میں لائق موقت کی اسلامی بصیرت مہلکتی دکھائی دیتی ہے۔ بحیثیت مجموعی پوری کتاب میں انہوں نے جا بجا قرآن، حدیث اور فقہائے امت کے اجتہادات سے استفادہ و استدلال کیا ہے۔ گمان یہ ہے کہ اگر وہ سوئے اتفاق سے حکومت کے ادارہ تحقیقات اسلامی پاکستان کے بالمعاوضہ مشیر نہ ہوتے تو جو خفیہ باتیں انہوں نے نرادی زبان سے کہی ہیں، انہیں واشگاف انداز میں کہتے، پوری آزادی اور حُجّت کے ساتھ وجود غیر اسلامی عالمی قوانین پر تنقید کرتے اور اسلامک ریسرچ انسٹیٹیوٹ اور اس کے ڈائریکٹر تحقیق کے بھیس میں دین کی جس طرح تحریف کر رہے ہیں، اس کا پردہ چاک کرتے۔ مگر بحالتِ موجودہ اس امر کا خدشہ ہے کہ ان کی علمی و فکری کاوشوں میں جو پہلو بھی فی نفسہ قدر و قیمت کا حامل ہے، وہ محض ادارہ تحقیقاتِ اسلامی کو نظر بد سے بچانے کے لیے تعویذ اور نظر ثنوں کا کر رہ جائے۔

ضروری گزارش

خریدارانِ ترجمان القرآن و ایجنٹ صاحبان کی خدمت میں گزارش ہے کہ خط و کتابت کرتے وقت اپنے غیر خریداری کا حوالہ ضرور دیا کریں جو کہ ان کے پتہ کی چٹ پر درج ہوتا ہے۔ علاوہ ازیں اپنا پتہ نہایت خوشخط اور واضح الفاظ میں معہ تحصیل و ضلع یا قریبی ریلوے اسٹیشن بھی درج ہونا چاہیے۔

ان امور کی پابندی کے بغیر دفتر کو عدم تعمیل کی شکایت کا ذمہ دار ٹھہرانا سراسر زیادتی

ہوگی۔

مینجر ترجمان القرآن

اچھرہ - لاہور